© rasailojaraid.com

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

فکرِ آخرت اور طلوعِ اسلام

کسی اقرار یا دعوٰی کی صداقت کے لیے محض اتنی بات کافی نہیں ہوتی کہ اقرار کرنے والا شخص خود اپنی زبان سے اس کا برملا اقرار کر رہا ہے یا اس سلسلہ میں تحریری بیان دے رہا ہے بلکہ اس کے اقرار یا دعوٰی کی صداقت میں یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ آیا دوسرے شواہد اس کے اس دعوٰی کی تائید و تصدیق بھی کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر دوسرے شواہد یا اس اقرار کرنے والے شخص کے اپنے اعمال و افعال اس کے اقرار یا دعوے کی تصدیق نہ کرتے ہوں تو اس کا دعوٰی باطل اور لغو سمجھا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ (المنٰفقون: ۱)

"جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ بلاشبہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فی الحقیقت آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ منافقین جھوٹے ہیں۔"

اب دیکھیے، منافقین کی شہادت یہ تھی کہ آپؐ خدا کے رسول ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ثابتہ تھی جس کی اللہ تعالیٰ نے توثیق بھی فرما دی۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے منافقین کو جھوٹا قرار دیا ہے۔

کذب کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ زبان سے کوئی ایسی بات کہی جائے جو واقعہ کے خلاف ہو۔ اب واقعہ یہی ہے کہ بلاشبہ آپؐ خدا کے رسول تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا کہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی آمریت نہیں کہ کسی سچے کو بھی جھوٹا کہہ دے بلکہ دعوے کی صداقت ثابت ہونے کے لیے [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ اقرار کنندہ جو بات زبان سے کہہ رہا ہے کیا اس کا دل بھی اس کے اس قول کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں ؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ایک جگہ تو ایک بیان دیتا ہے اور دوسری جگہ کچھ اور بات کہہ دیتا ہے ؟ اور منافقین یہی کچھ کرتے تھے۔ آپؐ کے پاس آتے تو کہتے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اور جب اپنے کافر ساتھیوں کے پاس جاتے تو اپنی اس شہادت سے انکار کر دیتے تھے۔ اسی طرح اگر ایک شخص ایک وقت میں تو صاف اور واضح بات کہتا ہے لیکن دوسری جگہ خود ہی اس کو ابہام د تاویل کا شکار بنا دیتا ہے یا اس سے انحراف کر جاتا ہے تو اس کا اقرار بے معنی اور لغو قرار پائے گا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اقرار کنندہ جو اقرار کر رہا ہے اس کے اعمال و افعال بھی اس کے اس اقرار کی تائید و توثیق کرتے ہیں ؟ اگر اس کے اعمال و افعال یا کردار اس اقرار کے خلاف ہوں تو بھی اس اقرار کو باطل ہی سمجھا جائے گا۔ منافقین میں یہ بات بھی پائی جاتی تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا قرار دیا۔

اسی آیت اور دوسرے واقعات سے محدثین اور فقہاء نے استنباط کر کے کسی اقرار یا شہادت کی صداقت کے لیے تین باتوں کو ضروری قرار دیا ہے ۔ ۱۔ زبان سے اقرار۔ ۲۔ دل سے تصدیق اور ۳۔ اعمال سے توثیق۔ اور یہی تین باتیں ایمان کے اجزا ہیں۔

اب ذرا عملی زندگی کی طرف آیئے جو شخص لین دین کے معاملات میں ناد ہند یا ناقابل اعتماد ہو وہ اپنے اقرار کو ایک دفعہ چھوڑ، کئی مرتبہ بھی دہرا تا جائے، حتیٰ کہ قسم بھی اٹھائے تو بھی لوگ اس کی بات پر اعتماد نہیں کرتے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کا سابقہ کردار اس کے اقرار کی نفی کر رہا ہوتا ہے۔ اسی بات کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی ادا کیا جائے گا کہ جس شخص کو اپنے اقرار کو بار بار دہرا کر اس کی توثیق کرنے یا توثیق کرنے کے لیے قسمیں اٹھانے کی ضرورت پیش آئے، وہ شخص صرف جھوٹا ہی نہیں بلکہ کمینہ اور ذلیل بھی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۙ (القلم ۱۰)

”اور کسی بہت قسمیں کھانے والے ذلیل کے کہے میں نہ آجانا۔“

ایمان بالآخرت :

لغوی اعتبار سے آخر کے معنی پچھلا اور آخرت اس سے مؤنث ہے اور آخرت کے معنی ”دار البقاء“ کیا جاتا ہے۔ (محیط المحیط۔ منجد) لیکن قرآن مجید نے اس لفظ کو اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور آخرت، دار الآخرت، یوم الآخر وغیرہ سے حیات بعد الممات یا مرنے کے بعد جی اٹھنے، زندہ رہنے اور اپنے نیک و بد اعمال کی جزاء و سزا بھگتنے کا طویل دور مراد لیا ہے۔ اب جو شخص ایمان بالآخرت کا اقرار کرتا ہے تو اس اقرار کی صداقت معلوم کرنے کے لیے مزید دو باتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا اور کائنات کا خالق اور مقتدرِ اعلیٰ اور مالکِ یوم الدین بھی سمجھتا ہے؟ بالفاظِ دیگر کیا وہ اللہ کو اس بات پر قادر سمجھتا ہے کہ وہ اس کے بُرے اعمال کے بدلہ میں اسے جہنم میں جھونک دے یا اچھے اعمال پر خوش ہو کر اسے جنت عطا فرمائے؟ ضمنی طور پر اس کے لیے اس جنت اور جہنم پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، جن کی بے شمار صفات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرما دی ہیں۔

۲۔ اور دوسرے یہ کہ آیا اقرار کنندہ اس دن کے محاسبہ سے ڈر کر اپنے کردار اور اعمال و افعال کو احکامِ خداوندی کے تابع بھی بناتا ہے یا نہیں؟ اور اسی چیز کو فکرِ آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص میں اقرارِ آخرت کے بعد فکرِ آخرت نہیں پائی جاتی تو بھی اس کا اقرار بے معنی ہی سمجھا جائے گا۔ اگر ان دونوں باتوں میں کوئی ایک بات بھی مفقود ہو تو کسی شخص کا محض حیات بعد الممات کا اقرار باطل اور لغو سمجھا جائے گا۔

ہم آج "طلوعِ اسلام" کے اسی دعویٰ کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ جائزہ کا معیار اور شرائط وہی ہوں گی جو اوپر بیان کر دی گئی ہیں۔

ہمیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ ہمارے محترم پرویز صاحب کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ ایک تو انہیں معتزلین کے نظریات کو آگے بڑھانا اور قرآن سے ثابت کرنا ہے۔ دوسرے مسئلہ ارتقاء اور تیسرے اپنے ایجاد کردہ نظام ربوبیت کو قرآن سے ہی ثابت کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا بیان کی مجبوری ہی سمجھیے کہ آپ اکثر قرآنی الفاظ کا ترجمہ و مفہوم بدلتے رہتے ہیں۔ ایک مقام پر ایک لفظ کا ترجمہ کچھ ہو گا تو دوسرے مقام پر اسی لفظ کا ترجمہ کچھ اور ہو گا اور تیسرے پر کچھ اور۔ جس مخصوص نظریہ کی بحث چل رہی ہو، اسی طرح کا حسب حال ترجمہ یا مفہوم بیان فرما دیتے ہیں۔ ایمان بالآخرت اور فکرِ آخرت کا ایک اہم جزو اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی ہے، جو لوگوں سے محاسبہ فرمائے گا تو اس لفظ اللہ ہی کے مختلف معانی و مفاہیم ملاحظہ فرمالیجیے:

© rasailojaraid.com

۱۔ اللہ بمعنی صفاتِ خداوندی [illegible] فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

"وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى" (۷/۱۸۰)

"صفاتِ خداوندی میں حسن کارانہ توازن ہے۔" (قرآنی نظامِ ربوبیت ص ۱۱۷)

۲۔ اللہ بمعنی اللہ کا قانون:

"حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" (۸/۶۴)

"تمہارے لیے اس ٹکراؤ میں جو مفاد پرست جماعتوں سے ہونے والا ہے اللہ کا قانون اور اس جماعت کی رفاقت کافی ہے۔" (ایضاً ص ۱۱۷)

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ"

"انہوں نے قانونِ خداوندی سے موافقت پیدا کر لی اور قانون ان کا رفیق سفر بن گیا۔ (ایضاً ص ۱۸۰)

۳۔ اللہ بمعنی اللہ کا نظام:

"وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" (۲/۱۶۹)

"کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناسمجھی سے اس نظام کو خدا کا نظام سمجھنے لگ جاؤ"۔

(ایضاً ص ۱۲۵)

"اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ"

"اللہ کا نظام رزق دینے والا اور بڑی قوتوں کا مالک ہے۔"

۴۔ اللہ بمعنی نظامِ ربوبیت:

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا" (۲/۲۶۸)

"نظامِ ربوبیت تمہیں پوری پوری حفاظت کا یقین دلاتا ہے اور رزق کی فراوانیوں کی ضمانت دیتا ہے۔" (ایضاً ص ۱۷۵)

۵۔ اللہ بمعنی چہ؟

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (۱/۱)

"زندگی کا ہر حسین نقشہ اور کائنات کا ہر تعمیری گوشہ خالقِ کائنات کے ہر عظیم القدر نظامِ ربوبیت کی ایسی زندہ شہادت ہے جو ہر چشم بصیرت سے بے ساختہ دادِ تحسین لیتی ہے۔" (مفہوم القرآن ص ۱)

اب اس آیت سے اللہ کا مفہوم آپ خود تلاش کر لیجیے۔

© rasailojaraid.com

یہ تو تھے لفظ "اللہ" کے مختلف مفہوم، لیکن ابھی اللہ سے مراد لینے کا کام باقی ہے:

"اللہ سے مراد قرآنی معاشرہ جس میں قرآنی نظام ربوبیت جاری ہوگا اور جو مخلوق کے رزق کا ذمہ دار بنے گا۔" (سلیم کے نام چودھواں خط ص ۲۶۶) —

رجب کہ اللہ کا مفہوم اللہ کا قانون، اس کی صفات، اس کا نظام اور نظام ربوبیت بھی بتایا ہے۔

اور اگر اللہ کے ساتھ رسول بھی شامل ہو جائے تو اللہ اور رسول سے مراد ہے، مرکز ملت، لیجئے:

"اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد ہے مرکز ملت یا سنٹرل اتھارٹی کی اطاعت جو مسلمانوں کے [illegible] اختیارات [illegible] قانون بنائے گی تاکہ عام مسلمان اسے اللہ اور رسول سمجھ کر ان کے احکام کی اطاعت کریں۔" (معارج الانسانیت ج ۴ میں دیکھئے بحث مرکز ملت)

سو یہ ہیں لفظ "اللہ" کے مختلف مفاہیم اور مرادیں۔ اگر آپ فکر قرآنی سے بہرہ اندوز ہونا [illegible] چاہتے ہیں [illegible] کا عملی استعمال یاد رکھنا چاہیے کہ:

[illegible] [illegible] کثرت تعبیر [illegible]

پھر یہ [illegible] آخرت میں انسانوں سے پوچھ [illegible] انسان کا محاسبہ کرے گا، قرآنی معاشرہ کرے گا یا نظام ربوبیت یا [illegible] کا قانون یا اس کی صفات [illegible] سے حساب کتاب لے گا [illegible] جنت یا جہنم میں بھیجیں گی؟

اللہ پر ایمان

اللہ [illegible]

[illegible]

[illegible] قرآن [illegible] اور حسن و خوبی کے ساتھ [illegible] صفات [illegible] ذات کی نشو ونما کے لیے [illegible] باقی ہے [illegible]

[illegible] مختلف [illegible] کوئی حی و قیوم اور [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(قرآن کے الفاظ میں) خدا کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، یا اس کا قرب حاصل کرنا جاتا ہے۔
خدا کی صفات کو بطور معیار اپنے سامنے رکھ لینا اور اپنی ذات میں ان کی نمود کو زندگی کا نصب العین قرار دینا ایمان باللہ (خدا پر ایمان لانا) کہلاتا ہے...... اس سے ظاہر ہے کہ خدا اور انسان کا بنیادی تعلق کیا ہے، اور اس کے لیے صفاتِ خداوندی کا اپنی حقیقی اور بلا آمیزش شکل میں سامنے ہونا کس قدر ضروری ہے۔ خدا پر ایمان کا لازمی نتیجہ انسان کا اپنی ذات کے وجود پر ایمان لانا ہے۔" (من و یزدان ص ۴۴۷)

خدا اور انسان کا تعلق :

سمجھ لیا آپ نے خدا اور انسان کا باہمی تعلق کیا ہے؟ یہاں عبد اور معبود یا خالق و مخلوق کی بات نہیں۔ یہاں ہمسری کے دعوے ہیں۔ ہر انسان دراصل پوشیدہ طور پہ خدا ہی ہے جس قدر وہ صفاتِ خداوندی کو اپنے اندر سموتا اور انہیں مشہود کرتا چلا جاتا ہے اسی قدر وہ خود بھی خدا بنتا جاتا ہے۔
ایک اور مقام پر اسی نظریہ کی تائید میں ایک انگریز مفکر بارڈلو کا اقتباس پیش فرماتے ہیں:
"اس کے بعد بارڈلو لکھتا ہے کہ انسان کی ذات کی انفرادیت خود اس فرد سے بلند درجے کی ہوتی ہے۔ جہاں تک خدا کا تعلق ہے، وہ لکھتا ہے کہ خدا اور انسان کا تعلق سبب اور مسبب کا نہیں، یہ بھی نہیں کہ ایک خاص ہے اور دوسرا عام۔ نہ ہی ان کا تعلق مقصد اور ذریعہ کا ہے اور نہ ہی غلام اور آقا کا۔ ہم اس تعلق کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ خدا بے شک (END) ہے۔ لیکن انسانی ذات اس کے حصول کا فقط ذریعہ (MEANS) نہیں۔ علم الٰہیات کا یہ عقیدہ کہ، خدا نے انسان کو اپنی حمد و ستائش اور جبر و کبریائی کی تعریف اور توصیف کے لیے پیدا کیا، انسانیت کی ذلت ہے۔ نہیں یہ خود خدا کی شان کے شایان بھی نہیں۔ اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ جو عقیدہ انسان کے لیے وجہ ذلت ہو وہ خدا کے لیے بھی باعثِ ذلت ہوتا ہے۔" (قرآنی نظامِ ربوبیت ص ۶۱)
اس اقتباس نے قرآن کریم کی بے شمار آیات کا ابطال کر دیا ہے۔ عابد و معبود، آقا و غلام، حاکم و محکوم کے سب رشتے ختم ہوئے کیونکہ خدا اور بندے کے درمیان ایسا تعلق انسان کی توہین ہے اور خدا کے بھی شایانِ شان نہیں۔ اگر اب بھی پرویز صاحب کے عقائد و نظریات میں کوئی شبہ باقی رہ گیا ہو تو درج ذیل اقتباس بھی ملاحظہ فرمایئے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جب ہم قرآن کی وہ آیت سنتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "ہم نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں" تو اس سے ہمارے اس عقیدہ (مذکورہ بالا مضمون) کو اور پختگی حاصل ہو جاتی ہے کہ خدا کے سامنے اپنا کوئی پروگرام تھا جس کی تکمیل کے لیے اس نے ہمیں پیدا کر کے یہ فریضہ عائد کر دیا کہ ہم اس کی عبادت کرتے رہیں، خدا کے لیے یہ تصور صحیح نہیں۔ وہ اپنے پروگرام کی تکمیل کے لیے کسی کا محتاج نہیں" (طلوع اسلام ستمبر ۱۹۶۲ء پرویز صاحب کا درس قرآن بعنوان شرک)

اس اقتباس میں لفظ پروگرام کا مطلب سمجھے آپ؟ اس سے مراد انسان کا ارتقائی پروگرام اور ممکنات کی تکمیل کا پروگرام ہے۔ (مزید تفصیل مسئلہ ارتقاء میں دی جا چکی ہے) اب سوچیے کہ اگر خدا اور انسان میں حاکم و محکوم کے بجائے ہمسری کا سا تعلق ہو تو ایسا خدا آخرت میں انسان کے اعمال کا کیا محاسبہ کر سکتا ہے؟

آخرت کا پرویزی مفہوم:

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ آخرت کا لفظ قرآن نے محض اور محض حیات بعد الممات کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن پرویز صاحب آخرت سے مستقبل کی زندگی مراد لیتے ہیں، فرماتے ہیں:

"چونکہ اس نظریہ (انسانی ذات کی پرورش یا نظام ربوبیت کا نظریہ) میں انسان کی نگاہ مفاد عاجلہ کی بجائے مستقبل پر رہتی ہے۔ اس لیے قرآن کی اصطلاح میں اسے حیات آخرت (مستقبل کی زندگی کے مفاد) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ آخرت (مستقبل) سے مراد صرف مرنے کے بعد کی زندگی ہی نہیں بلکہ اس سے مقصود، اس دنیا میں انفرادی مفاد (مفاد عاجلہ) کے بجائے نوع کے کلی مفاد پر نظر رکھنا بھی ہے"

(ق۔ن۔ر۔ص ۸۵)

اس اقتباس میں پرویز صاحب نے آخرت کے دو مزید معنی بھی بتلائے ہیں۔ ایک "مستقبل کی زندگی کے مفاد" اور دوسرا "نوع کے کلی مفاد پر نظر رکھنا" اور اس کو قرآن کی اصطلاح سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسا کہ ان کے الفاظ سے ظاہر ہے لیکن ہم یہ دعویٰ سے کہتے ہیں کہ قرآن میں آخرت کا لفظ ان دونوں معنوں میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا، اگر ہوا ہو تو براہ کرم اس کی نشاندہی فرمائیں۔ البتہ یہ بات [illegible] پرویز صاحب کی خصوصیات کلام میں سے ایک خصوصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بھی ہے) کہ جو کچھ ان کے جی میں آجائے اسے بلا جھجک قرآنی بصیرت کے نام پر قرآن سے منسوب کر دیتے ہیں خواہ قرآن میں اس کا ذکر تک نہ ہو۔ مثلاً ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"قرآن کہتا ہے کہ "انسان کی زندگی کا ایک حصہ تو بے شک حیوان ہی کی ارتقاء یافتہ شکل ہے۔ اس کی زندگی کا یہ حصہ وہ ہے جس میں وہ حیوانات کی طرح طبعی زندگی بسر کرتا ہے۔ (کھانا، پینا، سونا، افزائش نسل اور مر جانا) لیکن اس کی زندگی کا دوسرا حصہ حیوان کی ارتقاء یافتہ شکل نہیں بلکہ صفات خداوندی کا مظہر ہے"۔

(قرآنی نظام ربوبیت ص ۶۹)

کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ مندرجہ بالا عبارت قرآن کی کونسی آیت یا آیات کا ترجمہ ہے؟ غور فرمائیے آپ کی "قرآنی فکر" نے کس خوبی سے اس دور کے ایک مسئلہ "کیا انسان اولاد ارتقاء ہے؟" — کو قرآن سے حل فرما دیا ہے۔ یہ قرآنی فکر صحیح ہو یا غلط، بہر حال ہم آپ کی جسارت اور دیدہ دلیری کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے!

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"قرآن کہتا ہے کہ "انسانی جسم مادی عناصر کا مرکب ہے۔ اس لیے موت کے ساتھ طبعی جسم کا خاتمہ ہو جائے گا"۔ (ایضاً ص ۷۲)

افسوس ہے کہ اس معنی کی بھی کوئی آیت ہمیں قرآن میں نہیں مل سکی!

اقتباس بالا سے یہ بات تو ظاہر ہوتی ہے کہ آپ حیات بعد الممات کے قائل ضرور ہیں، مگر وہ بھی اسی حد تک جہاں تک مسئلہ ارتقاء کا تعلق ہے جس کی تفصیل ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ لیکن جہاں حیات آخرت کے ساتھ محاسبہ اور جنت و جہنم کا ذکر آئے، تو پھر اس سے انحراف کر جاتے ہیں۔ اور اس کو اسی دنیا میں مستقبل کی زندگی سے متعلق فرما دیتے ہیں۔ اپنے اس نظریہ کو وہ بتدریج مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں جس کی ابتداء یہ ہے:

• آپ "جنت دوزخ" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جس طرح مسلمانوں نے اللہ کو عرش پر بٹھا رکھا ہے۔ اسی طرح انہوں نے جنت و دوزخ کو دوسری دنیا سے مختص کر رکھا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جنت اور دوزخ اسی دنیا سے شروع ہو جاتے ہیں"۔ (سلیم کے نام گیارھواں خط ص ۱۵۹)

آپ کا یہ ارشاد کہ "جنت دوزخ اسی دنیا میں شروع ہو جاتے ہیں" محض ترویج اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مداہنت ہے ورنہ جس طرح مسلمانوں نے جنت دوزخ کو دوسری دنیا سے مختص کر رکھا ہے آپ نے جنت و دوزخ کو اسی دنیا سے متعلق کر رکھا ہے اور وہ جنت و دوزخ، جو دوسری دنیا سے مختص اور متعلق ہے، اور جن کے اوصاف بیان کرنے میں قرآن کریم کا تقریباً چوتھائی حصہ صرف ہوا ہے۔ نہ آپ اس جنت و دوزخ کے قائل ہیں اور نہ ہی ایسی حیاتِ آخرت کے۔ اب اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"دیکھیے، قرآن نے بتایا ہے کہ جہنم وہ مقام ہے جس میں زندگی کی نشوونما رک جاتی ہے۔ (وَلَا يُزَكِّيهِمْ ؕ) جہنم کے لیے عربی لفظ جحیم آیا ہے۔ جحم کے معنی روک دینے کے ہیں۔ یعنی اہل جہنم وہ ہیں جن کی نشوونما رک چکی ہوگی۔ جو آگے بڑھنے کی صلاحیت نہ رکھیں۔ لہٰذا قرآن کی رُو سے انسانی زندگی کا مقصود یہ ہے کہ انسانی ذات بالنفس (خودی یا انا) کی نشوونما (تزکیہ۔ ربوبیت) ہوجائے۔ نفسِ انسانی کی ربوبیت کے تصور کے ساتھ ہی اس زندگی سے متصل اگلی زندگی پر ایمان لانا بھی لاینفک ہو جاتا ہے۔" (ق۔ ن۔ ر۔ ص ۶۶-۶۷)

دیکھا آپ نے جہنم، جنت اور تزکیۂ نفس کی اصطلاحوں کو کس چابکدستی سے پرویز صاحب نے اپنے مسئلۂ ارتقاء اور اس کی مزعومہ منازل کے گرد گھما دیا ہے۔ جنت سے مراد مستقبل کی زندگی ہے۔ جو اسی دنیا میں ہوگی[۱]۔ جہنم کا معنیٰ، جو آپ نے وہ مقام تبلایا ہے جہاں زندگی کی نشوونما رک جاتی ہے، لغوی لحاظ سے بھی غلط ہے۔ (جحم عن الامر) کے معنی تو واقعی کسی کام سے رک جانا ہے لیکن جحمت النار" کے معنی "آگ کا بھڑکنا"، "جاحم" بمعنی "دہکتی ہوئی چنگاری" اور "جحیم" بمعنی "دوزخ۔ گڑھے میں سخت دہکتی ہوئی آگ اور سخت گرم جگہ" اور "جحمة النار" بمعنی "آگ کی بھڑک" ہے۔ (منجد) اور قرآن میں یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ رکنے کے معنی میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کے لیے صلہ "عن" ہونا چاہیئے۔

اور تزکیۂ نفس ایک شرعی اصطلاح ہے جس سے مراد نفس کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرنا ہے لیکن آپ ان الفاظ کو بھی، ذات، خودی، انا، ربوبیتِ نفس وغیرہ کی بھول بھلیوں میں ڈال کر اس سے

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھیے قرآنی نظامِ ربوبیت ص ۵۶۔ اور یہ جنت اپنی تمام تر نعمتوں سمیت ان لوگوں کے حصے میں آئے گی جو آپ کے نظامِ ربوبیت پر عمل پیرا ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارتقائی منازل کی راہیں ہموار کر رہے ہیں۔

جب کہ حیاتِ اخروی کے آپ صرف اس معنیٰ میں قائل ہیں جہاں تک ارتقائی منازل کا دُہ تقاضا ہے جو مغربی مفکرین نے پیش کیا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر پرویز صاحب سرمایہ دارانہ نظام میں طبقاتی تقسیم کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے، جو آیات اللہ تعالیٰ نے قیامت کے احوال سے متعلق نازل فرمائی ہیں، وُہ آپ اس معاشرہ پر منطبق کرتے چلے جاتے ہیں۔ ارشاد ہے:

"اس کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ بھائی بھائی سے الگ ہو جاتا ہے (یَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ (۸۰/۳۴) اولاد ماں باپ سے جُدا ہو جاتی ہے۔ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ (۸۰/۳۵) حتیٰ کہ میاں بیوی اور باپ بیٹے کے مفاد تک بھی ایک دوسرے سے متصادم ہو جاتے ہیں (وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (۸۰/۳۶) ہر شخص اپنے اپنے مفاد کے حصول اور تحفظ میں ایسا مجذوب ہوتا ہے کہ اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں رہتی۔ (لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (۸۰/۳۷) ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وُہ مشترکہ مفاد انسانیت کے بجائے اپنے اپنے مفاد کے حصول کے لیے الگ الگ پروگرام بنائے۔ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُنَشَّرَةً (۷۴/۵۲) اس نظریہ کے تحت جو کچھ افراد میں ہوتا ہے وہی کچھ قوم میں ہوتا ہے۔ اس کی رُو سے ہر قوم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ دوسری قوموں کو زندگی کی خوشگواریوں سے محروم کر دے۔ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا (۷/۳۸) اس جہنمی زندگی میں ہر قوم دوسری قوم کو محروم کرنے کی فکر میں ہوتی ہے۔ (لَعَنَ کے معنی ہیں دور رکھنا، محروم کرنا) اور اس طرح دوسری قوموں سے آگے بڑھ جائے۔ (أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ (۱۶/۹۲) اس کے بعد جس طرح ہر دولتمند یہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھے اب دوسرے افراد انسانیہ کی پروا کیا ہے، میرا مال و دولت میرے لیے کافی ہے، اسی طرح ہر قوم اپنے آپ کو خود مکتفی سمجھ کر خیال کر لیتی ہے (كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَىٰ (۹۶/۶-۷) جب انسان اپنے آپ کو مستغنی تصور کر لیتا ہے تو پھر آئین و ضوابط سے سرکشی اختیار کر لیتا ہے۔"

سوچئے کتنی بڑی ہے یہ حقیقت جسے قرآن نے دو جملوں میں سمیٹ کے رکھ دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، ایسا انسان سمجھتا ہے کہ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ (أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ۔ (۹۰/۵)

(ق۔ن۔رص ۹۲، ۹۳)

اس اقتباس میں آپ نے سات مختلف سورتوں سے آیات لے کر طبقاتی تقسیم کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ یہ آپ کے تفسیری انداز کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس طرح قرآن کے سیاق و سباق سے بے نیاز ہو کر تو دنیا و مافیہا کا ہر ایک نظریہ اور عقیدہ قرآن سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس اقتباس میں سے دو مقامات کے سیاق و سباق کا تذکرہ کریں گے جو احوال آخرت سے متعلق ہیں۔

۱۔ سورۂ عبس (۸۰) کی جو آیات ۳۴ تا ۳۷ درج کی گئی ہیں۔ ان سے اگلی آیات یوں ہیں:

"وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ"

(العبس۔ ۳۸: ۴۲)

"کتنے چہرے اس دن چمک رہے ہوں گے۔ خنداں و شاداں۔ اور کتنے چہرے ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہو گی۔ سیاہی چڑھ رہی ہو گی، یہ کفار بدکردار ہیں۔"

اب دیکھئے کہ اگر ان آیات کو طبقاتی تقسیم پر منطبق کیا جائے تو صاف ظاہر ہے، کہ خنداں و شاداں چہرے امیر طبقہ یا قوم ہی کے ہو سکتے ہیں اور اسی طبقہ کو پرویز صاحب موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں اور بیچارے غریب ہی گرد آلود اور سیاہ چہرے والے اور ساتھ ہی کافر بتلائے گئے ہیں تو آخر غریبوں کا کیا قصور؟ ظاہر ہے ان آیات کو غلط طور پر استعمال کیا گیا۔ یہ آیات قیامت کے دن ہی سے متعلق ہو سکتی ہیں جن سے پرویز صاحب فرار چاہتے ہیں۔

۲۔ سورۂ اعراف (۷) کی آیت ۳۸ کا جو ٹکڑا پیش کیا گیا ہے وہ پوری آیت یوں ہے:

"قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ"

(الاعراف: ۳۸)

"تو فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں، ان ہی کے ساتھ تم بھی آگ میں (جہنم میں) داخل ہو جاؤ۔ جب ایک جماعت داخل ہو گی تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی (مذہبی) بہن پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی جماعت کی نسبت کہے گی کہ اے پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو ان کو آتشِ جہنم کا دگنا عذاب دے۔ خدا فرمائے گا، تم سب کو دگنا عذاب دیا جائے گا مگر تم نہیں جانتے۔

اب دیکھیے، اس آیت سے مندرجہ ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ جن بھی انسانوں کی طرح ایک الگ نوع ہے جو انسانوں کی طرح شریعت کی مکلّف ہے۔ وہ بھی جہنم میں داخل ہوں گے۔ جب کہ "پرویز اینڈ کو" ان کی الگ نوع ہونے سے منکر ہیں۔ وہ جنّ سے "دیہاتی لوگ مراد" لیتے ہیں۔

۲۔ اس آیت میں اخروی زندگی اور جہنم کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا اور یہی وہ بات ہے جو ہم کہہ رہے ہیں۔

۳۔ اس آیت میں طبقاتی تقسیم اور امیر و غریب کی داستان بیان نہیں کی جا رہی بلکہ بدکردار انسانوں کا ذکر ہے۔ لہٰذا اس آیت کو غلط مقام پر استعمال کیا گیا ہے۔

۴۔ لَعَنَ کے معنی جو آپ نے دور کرنا اور محروم کرنا بتلائے ہیں تو اس معنی کو یہاں فٹ کر کے دیکھیے، کیا جہنم میں پڑی ہوئی ایک جماعت دوسری آگے والی جماعت کو جہنم کے عذاب سے دور کرنے یا محروم کرنے کی طاقت رکھتی ہو گی؟ اور خود اس کی جگہ لے لے گی؟ صاف واضح ہے کہ یہاں "لعنت" کے معنی "دور کرنا" نہیں بلکہ "پھٹکار" ہے۔

محترم پرویز صاحب کی تحریر میں ایک خصوصیت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ آپ پہلے اپنے خیالات و نظریات یعنی نام نہاد قرآنی افکار تحریر کرتے چلے جاتے ہیں اور آخر میں قرآن کی آیت درج فرما دیتے ہیں جس کی طویل تشریح پہلے گزر چکی ہوتی ہے۔ گویا آپ خود قرآن کے پیچھے چلنا گوارا نہیں فرماتے بلکہ قرآن کو اپنے خیالات کے پیچھے لگانا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ انداز نہایت غلط ہے۔ درج ذیل اقتباس میں آپ سورۂ دہر کی وہ آیات جو روزِ قیامت، جنت اور دوزخ سے متعلق ہیں، اپنے نظامِ ربوبیت کی تائید و توثیق میں پیش فرما رہے ہیں۔ اس اقتباس سے پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپ جنت، دوزخ اور قیامت پر کس طرح کا ایمان رکھتے ہیں اور جنت اور دوزخ کے مستحق کن لوگوں کو سمجھتے ہیں؟ فرماتے ہیں:

ہم نے (انسان کو) یہ بھی بتلا دیا کہ اس (نظامِ ربوبیت کے) راستے سے روگردانی کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانی ذات کی صحیح آزادیاں سلب ہو جائیں گی، زندگی گھٹ کر جوئے کم آب رہ جائے گی۔ اس کی کشادگیاں سمٹ جائیں گی۔ اس کی کلیاں جھلس جائیں گی۔ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا (۷۶/۴) اس راہ سے انکار کرنے والوں اور اس طرح زندگی کی برومندیوں کو دبا دینے والوں کے لیے زنجیریں اور طوق اور جھلسا دینے والی آگ کے شعلے بنا دیے گئے ہیں۔ ان کے برعکس جو لوگ اس راستے کو اختیار کر لیں گے ان کے سینے میں کشادگی اور نگاہوں میں وسعت پیدا ہوگی اور زندگی پھیل کر بحرِ بیکراں بن جائے گی ان لوگوں کو ابرار کہہ کر پکارا گیا ہے جس کے معنی کشادگی اور وسعت کے حامل ہوتے ہیں) یہ اس (، پیالے سے آبِ حیات پئیں گے جس میں سکون اور ٹھنڈک کی آمیزش ہوگی۔ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا (۷۶/۵) یہ شراب آئے گی کہاں سے؟ اس چشمے سے جسے یہ لوگ دل کی گہرائیوں سے پھاڑ کر نکالیں گے عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا (۷۶/۶) اس چشمے کا منبع کہیں باہر نہیں ہوگا اسے یہ لوگ خود اپنے عمقِ قلب سے نکال کر باہر لائیں گے۔ یہ نظام ایسا نہیں جسے ان پر استبداداً ٹھونس دیا جائے۔ یہ دل کی دنیا سے ابھر کر باہر آئے گا۔ یہ ہوگا کیسے؟ اس طرح کہ یہ لوگ ان تمام واجبات کو، جسے یہ از خود اپنے اوپر عائد کریں گے، نہایت عمدگی سے ادا کرتے جائیں گے (يُوفُونَ بِالنَّذْرِ (۷۶/۷)) (نذر کے لفظ پر غور کیجئے۔ نذر کسی کی طرف سے عائد کردہ تاوان نہیں ہوتا۔ خود اپنی مرضی سے مانی ہوئی منت ہوتی ہے) انہیں اس بات کا احساس ہوگا کہ اگر ہم نے اس قسم کا معاشرہ قائم نہ کیا تو اس کی جگہ ایسا معاشرہ قائم ہو جائے گا جس میں شر اس طرح عام ہو جائے گا کہ جو لوگ اس سے بچنا چاہیں گے وہ بھی نہ بچ سکیں گے وہ اڑ اڑ کر از خود جا پہنچے گا۔ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا (۷۶/۷) اس لیے وہ کریں گے کیا؟ ان تمام لوگوں کی روٹی کا انتظام کریں گے جن کی حرکت رک جائے (مسکین) یا جو معاشرے کے اندر رہتے ہوئے اپنے آپ کو تنہا پائیں (یتیم) یا جن کی حرکت تو ہو لیکن وہ خارجی موانعات سے اس طرح گھر جائیں کہ ہل نہ سکیں (اسیرا) اور یہ سب کچھ مفادِ خویش کی کشش و جاذبیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے علی الرغم کریں گے (وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ (۷۶/۸) اور اس کے لیے نہ کسی صلہ کی امید رکھیں گے نہ ستائش کی (إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (۷۶/۹)

"یہ ہیں نظامِ ربوبیت کی بنیادیں۔ یعنی دل کی گہرائیوں سے وہ چشمے ابلیں جو مزرعِ انسانیت کی برومندی اور سرسبزی و شادابی کا موجب بنیں۔ قلب و نگاہ کی اس تبدیلی کا نام ہے مصلّی بننا۔" (قرآنی نظام ربوبیت ص ۱۹۳، ۱۹۴)

زندہ باد! آپ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے اور یاد رکھیے کہ سورۂ دہر کی مندرجہ بالا آیات آپ کے ایجاد کردہ نظامِ ربوبیت کی بنیادیں بتلانے کے لیے ہی نازل ہوئی تھیں۔ پھر یہ بھی کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ کو بیسیوں سال نمازیں ادا کرتے گزر گئے مگر مصلّی بننے کا مفہوم سمجھ میں نہ آسکا۔

ان تمام تر تصریحات سے یہ فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ پرویز صاحب کس قسم کی آخرت جنت اور دوزخ پر ایمان رکھتے ہیں اور کن لوگوں کو ان کا مستحق قرار دیتے ہیں اور قرآن کی تعلیمات اس سلسلہ میں کیا ہیں؟ مسلمانوں کے جتنے فرقے بھی ہیں وہ کم از کم حیات آخرت اور جنت و دوزخ کی تفصیلات کے متعلق متحد الخیال اور متحد العقیدہ ہیں۔ اور پرویز صاحب کے نظریات ان سب کے خلاف ہیں۔ پھر بھی آپ کو اس بات پر اصرار ہے کہ وہ الگ فرقہ بلکہ نیا مذہب نہیں ہیں۔

اب ہم ایمان بالآخرت کے اقرار کی صحت کے دوسرے معیار یعنی فکرِ آخرت کی رو سے پرویز صاحب کے اقرارِ آخرت کا جائزہ لیں گے۔ فکرِ آخرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو احکامِ الٰہی کا تابع بنا دے۔ ان احکامِ الٰہی میں سے ہم صرف دو احکام نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کریں گے۔ اس لیے کہ یہ دونوں احکام اسلام کے بنیادی ارکان سے تعلق رکھتے ہیں اور اس لیے بھی کہ ان میں نماز کا تعلق بالخصوص حقوق اللہ سے ہے اور زکوٰۃ کا تعلق بالخصوص حقوق العباد سے۔

پرویزی دین اور نماز:

پرویز صاحب کی تصنیف "قرآنی فیصلے" کے بیسیوں صفحات نماز کی تفصیلات پیش کرتے ہیں جو لوگوں کے نماز کے متعلق استفسارات اور آپ کے جوابات پر مشتمل ہیں۔ ان جوابات کا ماحصل یہ ہے کہ پرویز صاحب نماز یا صلوٰۃ کو دین کا شعار سمجھتے ہیں۔ گو آج کل کی صلوٰۃ بے روح اور بے جان ہو چکی ہے، تاہم وہ اس کے جاری رہنے ہی کو پسند فرماتے ہیں۔ خود وہ حنفی طریقہ کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ تاہم اگر کسی اور فرقے کا امام بھی جماعت کرا رہا ہو، تو اس کے پیچھے نماز ادا کر لینے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہچانے نہیں ہیں؟[1]

یہ تو آپ کا اقرار ہے اور عمل یہ ہے کہ نہ آپ خود نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی آپ کی جماعت۔ یہ بات ہم زبان سے نہیں کہتے بلکہ نمائندہ ہفت روزہ "اخبارِ جہاں" کراچی کی ایک رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ اس رپورٹ میں نمائندہ مذکور نے بزمِ طلوعِ اسلام کراچی کی عید ملن پارٹی دراصل اقامتِ صلوٰۃ کے اہتمام کا نقشہ کچھ اس طرح پیش کیا ہے:

"دور کہیں مغرب کی نماز ہوا کی۔ لیکن ہال میں سگریٹوں کا دھواں اور لاؤڈ سپیکر کی گونج اور محمد اسلام صاحب (نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام کراچی) کی گھن گرج قرآنی فکر کے راستے ہموار کرتی رہی۔ اس کے بعد حیات النبی صاحب نے، کہ وہ بھی ایک پرانے رفیق بزم کے ہیں۔ تقریر دلپذیر کی اور لوگوں کو قرآنی دعوت کی طرف بلایا۔ جلسہ جاری رہا۔ کوئی گھنٹہ بھر گزر گیا تھا کہ ایک حضرت، نام جن کا محمد شفیع تھا، مائک کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ صاحبو! میرے ساتھ دو تین آدمی اور بھی آئے ہیں جن میں انہیں قرآنی فکر سے روشناس کرانے کے لیے لایا تھا۔ لیکن ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ ——— جنابِ پرویز کے ماننے والے نماز نہیں پڑھتے۔" اب تو ہمیں بھرے جلسے میں اس بات کا ثبوت مل گیا ہے۔ بتائیے اب میں ان دوستوں کو کیا جواب دوں؟ اس پر تو اسلام صاحب بہت چکرائے۔ انہوں نے اپنے اسلام کو بچانے کے لیے سات بجے یعنی نمازِ مغرب کے ٹھیک سوا گھنٹے بعد نماز کا وقفہ یوں کہہ کر کیا کہ:

"ہمیں بڑا افسوس ہے کہ ایسا ہوا۔ اب آپ حضرات نماز پڑھ لیں۔ خواہ قضا ہی سہی"۔ جلسے کی کارروائی دس منٹ کے لیے ملتوی ہوئی، اسی اللہ کے بندے محمد شفیع نے نماز باجماعت کا بندوبست کیا اور کل پانچ آدمیوں نے، کہ ان میں سے ایک بھی بزمِ طلوعِ اسلام کا نمائندہ نہیں تھا، نماز پڑھی۔ بزمِ طلوعِ اسلام کے اراکین قرآنی گتھیاں سلجھاتے رہے اور محمد شفیع نماز پڑھتا رہا۔ میں نے سوچا کہ صاحبو! کہ یہ قرآنی فکر بھی خوب ہے۔ اگر صحابہ اس زمانہ میں ہوتے تو قرآن کی پیروی ان کے لیے کتنی آسان ہوتی۔ نہ انہیں راتوں کو قیام کرنا پڑتا اور نہ نماز پنجگانہ کے جھنجھٹ میں پڑتے بس نظامِ صلوٰۃ برپا کرنے کے لیے معروفِ جہاد رہا کرتے۔ یہ مسلمانی بھی کیسی خوب اور عہدِ جدید کے

[1] لیکن واضح رہے کہ یہ اس وقت تک [illegible] اور صلوٰۃ کی کوئی پرویزی من گھڑت نئی تعبیر پیش نہیں کرتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق ہے کہ اسلام پر تین حرف بھیجنے کے باوجود بھی مسلم ہی رہے ۔ یہ قرآنی فکر بھی خوب ہے کہ صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام بے چاروں کے ذہن اس تک رسائی حاصل نہ کرسکے ۔ یار لوگوں نے بھی خوب خوب نفس کے بت تراشے ہیں ۔ اور انہیں اسلام کا خسارہ ۔ اس کے بعد کچھ کام و دہن کی لذت کا سامان ہوا اور پھر "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کے نام سے ایک ڈرامہ پیش کیا گیا ۔ لیکن ہم ڈرامہ دیکھے بغیر ہی واپس چلے آئے ۔" (اخبار جہاں ۔ کراچی ۸ر جنوری ۱۹۶۹ء)

کہ نام پیغمبر کا پیش کر سکیں [illegible] ۔ اگر زمانہ تو نسازد تو با زمانہ بساز ۔ [illegible] اسلام

یہ تو اس نمائندہ کی رپورٹ تھی ۔ اب آپ ایک پہلو پر بھی غور فرمایئے کہ لاہور گلبرگ میں درسِ قرآن ہمیشہ ہفتہ وار چھٹی کے دن ۱۰ سے بارہ ۱۲ بجے دوپہر تک ہوتا ہے ۔ اس کی وجہ تو صاف ہے کہ دورانِ اثناء کسی نماز کا وقت آئے نہ ہی کوئی اعتراض پیدا ہو ۔ میں نے ایک پرویزی دوست سے اس وقت کے انتخاب کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ ہم لوگ فرقہ پرستی کے قائل نہیں ۔ اور نماز کے وقت فرقہ پرستی کا اظہار یقینی ہے ۔ اس لیے درس کے اوقات ایسے رکھے جاتے ہیں جن میں نماز کا وقت نہ آئے ۔ اب یہ وجہ جتنی معقول ہے وہ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے ؟

پرویزی دین اور زکوٰۃ :

ایتائے زکوٰۃ وہ اہم فریضہ ہے جس کو آپ الدین کا اصل الاصول سمجھتے ہیں ۔ قرآنی نظامِ ربوبیت میں آپ نے سارا زور اس بات پر صرف فرمایا ہے کہ جو کچھ ضرورت سے زائد ہو وہ سب کچھ ہی ربوبیتِ عامہ کے لیے اسلامی حکومت کے حوالہ کر دینا چاہیئے ۔ کیونکہ صرف اسی طریقے سے ارتقائے انسانیت بھی ہو سکتی ہے اور فرد کی ذات کی نشوونما بھی ۔

آپ کی قرآنی بصیرت کے مطابق زکوٰۃ اور ٹیکس ایک ہی چیز ہے ۔ عہد نبوی میں جو زکوٰۃ عائد کی گئی تھی ۔ وہ اس وقت کی ضرورتوں کے مطابق تھی ۔ آج کل کی حکومت اپنی ضرورت کے مطابق جو ٹیکس عائد کرے وہ زکوٰۃ ہی ہے ۔

یہ تو آپ کے دعوے ہیں ۔ اب عمل کی طرف آیئے ۔ موجودہ حکومت نے جب زکوٰۃ آرڈیننس نافذ کر دیا ۔ تو یہ حضرات زکوٰۃ کی ادائیگی سے فرار کی راہیں سوچنے لگے ۔ چنانچہ ماہنامہ "طلوعِ اسلام" اپریل ۱۹۸۱ء کے ص ۴۰ پر ایک استفسار کے جواب میں یہ مشورہ دیا گیا کہ :

"جو حضرات قرآن کریم کی روشنی میں اپنے آپ کو حکومت کے نافذ کردہ احکام کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنے کا مکلف نہیں سمجھتے اس قسم کا ڈیکلریشن گوشۂ مجاز میں داخل کر دیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈیکلیریشن فارم میں جہاں لکھا ہے :

میں مسلمان ہوں اور ـــــــ فقہ کا پابند ہوں۔

آپ لکھیئے میں مسلمان ہوں اور قرآنی فقہ[1] کا پابند ہوں۔

اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس اعلان کے بعد آپ نہ صرف آئندہ ادائیگی زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پائیں گے بلکہ جو زکوٰۃ پہلے کٹ چکی ہے، وہ بھی آپ کو واپس مل جائے گی۔ ایک صاحب نے اطلاع دی ہے کہ اسے وضع کردہ رقم واپس مل گئی ہے۔

اگر کوئی ڈاک خانہ، بنک، نیشنل سیونگز کی شاخ اس پر کسی قسم کا اعتراض کرے تو آپ ان سے کہیے کہ وہ اپنے حکام بالا سے اس پر فیصلہ لے لیں اور اگر وہ اس پر بھی رضامند نہ ہوں تو آپ (مذکورہ بالا) ایڈمنسٹریٹر زکوٰۃ کو خط لکھیئے اور ان کی طرف سے جو جواب موصول ہو، اس سے ہمیں بھی مطلع فرمایئے۔"

ادائیگی زکوٰۃ سے بچنے کی یہ مہم اگر کسی سرمایہ دار اور دنیا دار طبقہ کی طرف سے چلائی جاتی تو یہ بات قابلِ فہم تھی لیکن ہمیں حیرت ہے کہ یہ حیلے ان حضرات کی طرف سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ جو ربوبیت عامہ کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ اور جن کے خیال کے مطابق :

(الف) ضرورت سے زائد سارے کا سارا مال مفادِ عامہ کے لیے کھلا چھوڑ دینا چاہیے (انفاق فی سبیل اللہ) اور یہ تو واضح ہے کہ جو رقم، بینک، ڈاک خانہ یا نیشنل سیونگز میں جمع ہو وہ ضرورت سے زائد ہی ہوتی ہے۔

(ب) مستحقین زکوٰۃ سنت کی رو سے تو قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن سنت ان کے لیے حجت ہی نہیں۔ اور قرآن کی رو سے جو کچھ زائد مال ہو وہ دے ہی دینا چاہیے۔

(ج) قرآن کی تعلیم کا نقطہ ماسکہ ایتائے زکوٰۃ ہے۔ تو کیا قرآنی فقہ، قرآن کے نقطہ ماسکہ سے کوئی الگ چیز ہے؟

(د) ممکن ہے یہ حضرات موجودہ حکومت کو اسلامی ہی نہ سمجھتے ہوں۔ پھر بھی جب حکومت نے اعلان کر دیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم صرف غریبوں اور محتاجوں پر صرف کی جائے گی، تو پھر آخر زکوٰۃ کی ادائیگی سے فرار کیوں ہے؟ یہی تو آپ کا نصب العین ہے۔ (بقیہ بر ص ۵)

---

[1] خالی جگہ میں حنفی فقہ لکھنے سے ۲½ % زکوٰۃ عائد ہوتی ہے اور جعفری فقہ لکھنے سے ۲۰ % اور قرآنی فقہ لکھنے سے غالباً بالکل چھٹی ہی مل جاتی ہے۔ (عبدالرحمان کیلانی)

© rasailojaraid.com